تفسیر ابن کثیر ___ منہج اور خصوصیات

ڈاکٹر محمد اکبر ربانی،
لیکچرر شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ ایس، ای کالج، بہاولپور۔

عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر ۷۰۱ ہجری(۱) میں شام کے شہر بصری کے مضافات میں ''مجدل'' نامی بستی میں پیدا ہوئے(۲) اور دمشق میں تعلیم و تربیت پائی۔ آپ نے اپنے عہد کے ممتاز علماء سے استفادہ کیا اور تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، تاریخ، علم الرجال اور نحو و عربیت میں مہارت حاصل کی۔(۳) آپ نے ۷۷۴ ہجری میں دمشق میں وفات پائی اور مقبرہ صوفیہ میں مدفون ہوئے۔(۴)

امام ابن کثیر بحیثیت مفسر، محدث، مورخ اور نقاد ایک مسلمہ حیثیت کے حامل ہیں۔ آپ نے علوم شرعیہ میں متعدد بلند پایہ کتب تحریر کیں۔ ''تفسیر القرآن العظیم'' اور ضخیم تاریخ ''البدایۃ والنہایۃ'' آپ کی معروف تصانیف ہیں۔ جن کی بدولت آپ کو شہرت دوام حاصل ہوئی۔ زیر نظر مضمون اول الذکر کتاب کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔

تعارف تفسیر:

علامہ ابن کثیر نے قرآن کی جو تفسیر لکھی وہ عموماً تفسیر ابن کثیر کے نام سے معروف ہے اور قرآن کریم کی تفاسیر ماثورہ میں بہت شہرت رکھتی ہے۔ اس میں مولف نے مفسرین سلف کے تفسیری اقوال کو یکجا کرنے کا اہتمام کیا ہے اور آیات کی تفسیر احادیث مرفوعہ اور اقوال و آثار کی روشنی میں کی ہے۔ تفسیر ابن جریر کے بعد اس تفسیر کو سب سے زیادہ معتبر خیال کیا جاتا ہے۔ اس کا قلمی نسخہ کتب

خانہ خدیویہ مصر میں موجود ہے۔ یہ تفسیر دس جلدوں میں تھی۔ ۱۳۰۰ھ میں یہ پہلی مرتبہ نواب صدیق حسن خان کی تفسیر ''فتح البیان'' کے حاشیہ پر بولاق، مصر سے شائع ہوئی۔ ۱۳۴۳ھ میں تفسیر بغوی کے ہمراہ نو جلدوں میں مطبع المنار، مصر سے شائع ہوئی۔ پھر ۱۳۸۴ھ میں اس کو تفسیر بغوی سے الگ کر کے بڑے سائز کی چار جلدوں میں مطبع المنار سے شائع کیا گیا۔ بعد ازاں یہ کتاب متعدد بار شائع ہوئی ہے۔ احمد محمد شاکر نے اس کو بحذف اسانید شائع کیا ہے۔ محققین نے اس پر تعلیقات اور حاشیے تحریر کیئے ہیں۔ سید رشید رضا کا تحقیقی حاشیہ مشہور ہے۔ علامہ احمد محمد شاکر (۱۹۵۸ء) نے ''عمدۃ التفسیر عن الحافظ ابن کثیر'' کے نام سے اس کی تلخیص کی ہے۔ اس میں آپ نے عمدہ علمی فوائد جمع کیئے ہیں، لیکن یہ نامکمل ہے۔ اس کی پانچ جلدیں طبع ہوچکی ہیں اور اختتام سورۃ انفال کی آٹھویں آیت پر ہوتا ہے۔

محمد علی صابونی نے ''تفسیر ابن کثیر'' کو تین جلدوں میں مختصر کیا اور ''مختصر تفسیر ابن کثیر'' کے نام سے اسے ۱۳۹۳ھ میں مطبع دار القرآن الکریم، بیروت سے شائع کیا۔ بعد ازاں محمد نسیب رفاعی نے اس کو چار جلدوں میں مختصر کیا اور اسے ''تیسیر العلی القدیر لاختصار تفسیر ابن کثیر'' کے نام سے موسوم کیا۔ یہ ۱۳۹۲ھ میں پہلی مرتبہ بیروت سے شائع ہوئی۔

مآخذ:

علامہ ابن کثیر نے اپنی ''تفسیر'' کی ترتیب وتشکیل میں سینکڑوں کتب سے استفادہ کیا ہے اور بے شمار علماء کے اقوال و آراء کو اپنی تصنیف کی زینت بنایا ہے۔ چند اہم مآخذ کے نام یہ ہیں۔

تفاسیر قرآن: طبری، قرطبی، رازی، ابن عطیہ، ابومسلم الاصفہانی، واحدی، زمخشری، وکیع بن جراح، سدی، ابن ابی حاتم، سنید بن داؤد، عبد بن حمید، ابن مردویہ وغیرہ۔

علوم قرآن: فضائل القرآن ابوعبید القاسم، مقدمہ فی اصول تفسیر ابن تیمیہ وغیرہ۔

کتب حدیث: صحاح ستہ، صحیح ابن حبان، صحیح ابن خزیمہ، موطا امام مالک، مستدرک حاکم، سنن دار قطنی، مسند امام شافعی، مسند دارمی، مسند ابویعلی الموصلی، مسند عبد بن حمید، مسند ابوبکر البزار، معجم کبیر طبرانی وغیرہ۔

کتب تراجم اور جرح و تعدیل: التاریخ الکبیر امام بخاری، مشکل الحدیث ابو جعفر الطحاوی، الجرح والتعدیل ابن ابی حاتم، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ابن عبدالبر، الموضوعات ابن الجوزی وغیرہ۔

کتب سیرت و تاریخ: سیرت ابن اسحاق، سیرت ابن ھشام، مغازی سعید بن یحییٰ اموی، مغازی واقدی، دلائل نبوۃ بیہقی، الروض الانف سھیلی، التنویر فی مولد السراج المنیر عمر بن دحیہ الکلبی، تاریخ ابن عساکر وغیرہ۔

فقہ و کلام: کتاب الام امام شافعی، الارشاد فی الکلام امام الحرمین، کتاب الاموال ابو عبید القاسم، الاشراف علی مذاہب الاشراف ابن ھبیرہ وغیرہ۔

لغات: الصحاح ابونصر جوہری، معانی القرآن ابن زیاد الفراء وغیرہ۔

ان مصادر کے علاوہ فضائل شافعی ابن ابی حاتم، کتاب الآثار والصفات بیہقی، کشف الغطاء فی تبیین الصلوۃ الوسطیٰ دمیاطی، کتاب التفکر والاعتبار ابن ابی الدنیا، السر المکتوم رازی اور دیگر متعدد کتب کے حوالے بھی ہمیں زیر بحث کتاب میں ملتے ہیں، جن سے ابن کثیر کے وسعت مطالعہ اور تحقیقی میدان میں دلچسپی کا اندازہ ہوتا ہے۔

حافظ ابن کثیر نے اپنی کئی تصانیف کے حوالے بھی "تفسیر" میں دیئے ہیں، مثلاً البدایہ والنھایہ، کتاب السیرۃ، الاحکام الکبیر، صفۃ النار، احادیث الاصول، جزء فی ذکر تطہیر المساجد، جزء فی الصلوۃ الوسطیٰ، جزء فی ذکر فضل یوم عرفہ، جزء فی حدیث الصور وغیرہ۔(۵)

منہج:

تفسیر کے اصولوں کا التزام: علامہ ابن کثیر نے زیر تبصرہ کتاب کا نہایت مفصل مقدمہ تحریر کیا ہے اور تفسیر کے درج ذیل اصول متعین کیئے ہیں۔

☆ تفسیر القرآن بالقرآن ☆ تفسیر القرآن بالسنة

☆ تفسیر القرآن باقوال الصحابہ ☆ تفسیر القرآن باقوال التابعین(٦)

یہ مرکزی اور بنیادی اصول تفسیر ابن کثیر میں یکساں طور پر بالترتیب نظر آتے ہیں۔ امام موصوف سلیس اور مختصر عبارت میں آیات کی تفسیر کرتے ہیں۔ ایک آیت کے مفہوم کو واضح کرنے کیلئے کئی قرآنی آیات یکے بعد دیگرے پیش کرتے ہیں اور اس سے متعلق جملہ معلوم احادیث ذکر کرتے ہیں، بعد ازاں صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے اقوال و آثار درج کرتے ہیں۔ اس انداز میں مثالیں ان کی تفسیر میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ سورۃ المومنون کی آیت (٥٠) "وجعلنا ابن مریم و امه ایةً واٰوینٰهما الٰی ربوة ذات قرار و معین" کی تفسیر میں متعدد روایات و اقوال نقل کیئے ہیں اور مختلف مفاہیم بیان کیئے ہیں۔ ایک مفہوم کو ترجیح دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "یہ مفہوم زیادہ واضح اور ظاہر ہے، اس لیئے کہ دوسری آیت میں بھی اس کا تذکرہ ہے، اور قرآن کے بعض حصے دوسرے حصوں کی تفسیر کرتے ہیں اور یہی سب سے عمدہ طریقہ تفسیر ہے، اس کے بعد صحیح حدیثوں کا اور ان کے بعد آثار کا نمبر آتا ہے۔"(٢٧)

نقد و جرح:

حافظ ابن کثیر ایک بلند پایہ محدث تھے، اس لیے انہوں نے محدثانہ طریق پر یہ کتاب مرتب کی ہے اور نہایت احتیاط سے صحیح حدیثوں کے انتخاب کی کوشش کی ہے۔ وہ دوران بحث جرح و تعدیل کے اصولوں کو بروئے کار لاتے ہوئے صحیح روایات کو نکھار کر پیش کرتے ہیں، بعض روایات کو

ضعیف قرار دیتے ہیں جبکہ غلط اور فاسد روایتوں کی تردید کرتے ہیں، مثلاً آیت "یوم نطوی السمآء کطی السجل للکتب" (الانبیاء:۱۰۴) کے بارے میں ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ سجل آنحضورﷺ کے ایک کاتب کا نام تھا۔ اس پر تنقید کرتے ہوئے ابن کثیر تحریر کرتے ہیں:

> یہ منکر روایت ہے اور یہ قطعاً صحیح نہیں۔ ابن عباس سے بھی جو روایت بیان کی جاتی ہے، وہ ابوداؤد میں ہونے کے باوجود غلط ہے۔ حفاظ کی ایک جماعت نے اس کی وضعیت پر ایک مستقل رسالہ تحریر کیا ہے اور ابن جریر نے بھی اس کا نہایت پر زور رد کیا ہے۔ اس روایت کے ضعیف ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام کاتبین وحی نہایت مشہور لوگ ہیں اور ان کے نام معروف ہیں۔ صحابہ میں بھی کسی کا نام سجل نہ تھا۔" (۸)

علامہ ابن کثیر مختلف روایتوں کے متعدد طرق و اسناد کا ذکر کرکے رواۃ پر بھی جرح کرتے ہیں، مثلاً سورۃ البقرۃ کی آیت (۱۸۵) "هدی للناس و بینات من الهدیٰ" کے تحت ابومعشر نجیح بن عبدالرحمٰن المدنی کو ضعیف قرار دیا ہے۔(۹) اسی طرح سورہ مذکور کی آیت (۲۵۱) "ولو لا دفع الله الناس بعضهم ببعض لفسدت الارض" کی تفسیر میں مختلف طرق سے ایک روایت بیان کی ہے اور یحییٰ بن سعید کو ضعیف قرار دیا ہے۔(۱۰)

سورۃ نساء کی آیت (۴۳) "یایها الذین اٰمنوا لا تقربوا الصلوٰة..... ولا جنباً الا عَابری سبیل حتی تغتسلوا" کی تفسیر میں سالم بن ابی حفصہ کو متروک اور ان کے شیخ عطیہ کو ضعیف قرار دیا ہے۔(۱۱) اسی سورت کی آیت (۹۳) "ومن یقتل مومناً متعمداً فَجَزآؤه جهنم..... الخ کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

> "ابن مردویہ میں حدیث ہے کہ جان بوجھ کر ایمان دار کو مار ڈالنے والا کافر ہے۔ یہ حدیث منکر ہے اور اس کی اسناد میں بہت کلام ہے۔" (۱۲)

ابن کثیر نے حدیث کے ساتھ ساتھ آثار صحابہ اور اقوال تابعین بھی کثرت سے نقل کیئے

ہیں، لیکن ان کی صحت جانچنے کیلئے یہاں بھی انہوں نے بحث وتنقید کا معیار برقرار رکھا ہے اور ان کی تائید یا تردید میں اپنی معتبر رائے کا اظہار کیا ہے مثلاً سورۃ نساء کی آیت (۴۱) "**فکیف اذاجئنا من کل امة بشهید**.....الخ" کی تفسیر میں ابوعبداللہ قرطبی کی کتاب "تذکرۃ" کے حوالے سے حضرت سعید بن مسیبؒ کا قول نقل کرتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں:

> "یہ اثر ہے اور اس کی سند میں انقطاع ہے۔ اس میں ایک راوی مبہم ہے، جس کا نام ہی نہیں نیز یہ سعید بن مسیبؒ کا قول ہے جو حدیث مرفوع بیان ہی نہیں کرتے۔"(۱۳)

جرح وقدح کے ضمن میں ابن کثیر تاریخی غلطیوں اور حوالوں کی بھی تردید کرتے ہیں، مثلاً "**و اذا تتلی علیهم ایتنا قالوا قدسمعنا لونشآء لقلنا مثل هذا**".....الخ (الانفال:۳۱) کے تحت لکھتے ہیں:

"حضورﷺ نے بدر کے روز تین قیدیوں کے قتل کا حکم دیا تھا۔(۱)عقبہ بن ابی معیط (۲)طعیمہ بن عدی(۳)نضر بن حارث۔ سعید بن جبیر نے ایک روایت میں طعیمہ کی بجائے مطعم بن عدی کا نام بتایا ہے۔ یہ بات غلط ہے، کیونکہ مطعم بن عدی تو بدر کے روز زندہ ہی نہیں تھا، اس لیئے اس روز حضورﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر آج مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور ان مقتولین میں سے کسی کا سوال کرتا تو میں اس کو وہ قیدی دے دیتا۔ آپﷺ نے یہ اس لیئے فرمایا تھا کہ مطعم نے آنحضرتﷺ کو اس وقت تحفظ دیا تھا جب آپﷺ طائف کے ظالموں سے پیچھا چھڑا کر مکہ واپس آرہے تھے۔"(۱۴)

شان نزول کا بیان:

اگر کسی سورۃ یا آیت کا شان نزول ہے تو امام ابن کثیر اپنی "تفسیر" میں اس کا تذکرہ کرتے ہیں، مثلاً سورۃ بقرہ کی آیت (۱۰۹) "**ودکثیر من اهل الکتاب لو یردونکم من بعد**

ایمانکم......الخ" کے تحت لکھتے ہیں:

"ابن عباس سے روایت ہے کہ حیی بن اخطب اور ابویاسر بن اخطب دونوں یہودی مسلمانوں کے سب سے زیادہ حاسد تھے اور وہ لوگوں کو اسلام سے روکتے تھے، ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ زہری کہتے ہیں کہ کعب بن اشرف شاعر تھا اور وہ اپنی شاعری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کیا کرتا تھا۔ اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔"(۱۵)

سورۃ اخلاص کا شان نزول اس طرح بیان کیا ہے:

"مسند احمد میں ہے کہ مشرکین نے حضورﷺ سے کہا اپنے رب کے اوصاف بیان کرو، اس پر یہ آیت اتری۔ اور حافظ ابو یعلی موصلی کہتے ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول کریمﷺ سے یہ سوال کیا تھا، اس کے جواب میں یہ سورۃ اتری۔"(۱۶)

فقہی احکام کا بیان:

ابن کثیر احکام پر مشتمل آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فقہی مسائل پر بحث کرتے ہیں اور اس سلسلے میں فقہاء کے اختلافی اقوال و دلائل بیان کرتے ہیں، مثلاً سورۃ بقرہ کی آیت "**قدنری تقلب وجھک فی السماء**......" الخ کے تحت لکھتے ہیں:

"مالکیہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ نمازی حالت نماز میں اپنے سامنے اپنی نظریں رکھے نہ کہ سجدہ کی جگہ، جیسا کہ شافعیؒ، احمدؒ اور ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے، اس لیئے کہ آیت کے لفظ یہ ہیں "**فول وجھک شطر المسجد الحرام**" یعنی مسجد حرام کی طرف منہ کرو اور اگر وہ سجدے کی جگہ نظر جمانا چاہے گا تو اسے قدرے جھکنا پڑے گا اور یہ تکلف خشوع کے خلاف ہوگا۔ بعض مالکیہ کا یہ قول بھی ہے کہ قیام کی حالت میں اپنے سینے پر نظر رکھے۔ قاضی شریح کہتے ہیں کہ قیام میں سجدے کی جگہ نظر رکھے جیسے کہ جمہور علماء کا قول ہے، اس لیئے کہ اس میں پورا پورا خشوع

خضوع ہے۔ اس مضمون کی ایک حدیث بھی موجود ہے اور رکوع کی حالت میں اپنے قدموں کی جگہ نظر رکھے اور سجدے کے وقت ناک کی جگہ اور قعدہ کی حالت میں اپنی آغوش کی طرف۔(۱۷)

"**فمن شهد منكم الشهر**" (البقرہ:۱۸۵) کی تفسیر میں مؤلف نے چار مسائل ذکر کر کے اس بارے میں علماء کے مختلف مسالک اور ان کے براہین و دلائل بیان کیئے ہیں۔(۱۸)

سورہ نساء کی آیت (۴۳) کے تحت تیمم کے مسائل اور احکام ذکر کیئے گئے ہیں۔(۱۹)

"**لا يواخذكم الله باللغو في ايمانكم.....الخ**" (المائدۃ:۸۹) کے تحت قصداً قسم کے سلسلے میں کفارہ ادا کرنے کے مسائل بیان کیئے گئے ہیں۔(۲۰) امام ابن کثیر فقہی مسائل میں عموماً شافعی مسلک کی تائید کرتے ہیں۔

روایات و اقوال میں تطبیق:

ابن کثیر مختلف و متضاد روایات میں جمع و تطبیق کی کوشش کرتے ہیں اور ان کے مابین محاکمہ کرتے ہیں، مثلاً سورۃ آل عمران کی آیت (۱۶۹) "**ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتاً بل احياء عند ربهم يرزقون**" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"صحیح مسلم میں ہے، مسروقؒ کہتے ہیں: ہم نے عبداللہؓ بن مسعود سے اس آیت کا مطلب پوچھا تو حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کا مطلب دریافت کیا: آپ ﷺ نے فرمایا: شہیدوں کی روحیں پرندوں کے قالب میں ہیں اور ان کیلئے عرش کی قندیلیں ہیں۔ وہ ساری جنت میں جہاں کہیں چاہیں، کھائیں، پئیں اور ان قندیلوں میں آرام کریں، لیکن مسند احمد میں ہے کہ شہید لوگ جنت کے دروازے پر نہر کے کنارے سبز گنبد میں ہیں، صبح و شام انہیں جنت کی نعمتیں پہنچ جاتی ہیں۔ دونوں حدیثوں میں تطبیق یہ ہے کہ بعض شہداء وہ ہیں جن کی روحیں پرندوں کے قالب میں ہیں اور بعض وہ ہیں جن کا ٹھکانہ یہ گنبد ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ

وہ جنت میں سے پھرتے پھراتے یہاں جمع ہوتے ہوں اور پھر انہیں یہیں کھانے کھلائے جاتے ہوں۔ واللہ اعلم'' (۲۱)

آپ مختلف تفسیری اقوال میں بھی تطبیق کرتے ہیں مثلاً سورۃ قصص کی آیت (۸۵) ''لر آدک الی معاد'' کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے تین قول نقل کیئے ہیں۔ ۱۔موت ۲۔جنت ۳۔مکہ۔ ان تینوں اقوال میں یوں تطبیق کی ہے کہ مکہ کا مطلب فتح مکہ ہے جو آنحضورﷺ کی موت کی قربت کی دلیل ہے اور روز قیامت مراد لینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بہرحال موت کے بعد ہی ہوگا اور جنت اس لیئے کہ تبلیغ رسالت کے صلہ میں آپﷺ کا ٹھکانہ وہی ہوگا۔ (۲۲)

قرآنی آیات کا ربط وتعلق:

ابن کثیر قرآن مجید کے ربط ونظم کے قائل تھے۔ وہ اپنی ''تفسیر'' میں آیات کے باہمی تعلق اور مناسبت کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ قرآن پاک ایک مربوط ومنظم کتاب نظر آتی ہے، اس سلسلے میں متعدد مثالیں ''تفسیر ابن کثیر'' میں نظر آتی ہیں، مثلاً آیت ''انما الصدقت للفقرآء والمساکین.....الخ'' (توبہ:۶۰) کے سلسلے میں رقمطراز ہیں:

''سورۃ توبہ کی آیت (۵۸) ''ومنهم من يلمزک فی الصدقت.....الخ'' میں ان جاہل منافقوں کا ذکر تھا جو ذات رسولﷺ پر تقسیم صدقات کے سلسلے میں اعتراض کرتے تھے۔ اب یہاں اس آیت میں فرمایا کہ تقسیم زکوۃ پیغمبر کی مرضی پر موقوف نہیں بلکہ ہمارے بتلائے ہوئے مصارف میں ہی لگتی ہے، ہم نے خود اس کی تقسیم کر دی ہے، کسی اور کے سپرد نہیں کی۔'' (۲۳)

''اولئک يجزون الغرفة بما صبروا.....الخ'' (الفرقان:۷۵،۷۶) کے متعلق فرماتے ہیں:

''چونکہ خدائے رحمٰن نے اس سے پہلی ایات میں اپنے مومن بندوں کے پاکیزہ اوصاف

اور عمدہ طور طریقوں کا ذکر کیا تھا، اس لیئے اس کی مناسبت سے اس آیت میں ان کی جزاء کا ذکر کیا ہے۔'' (۲۴)

قرآن مجید میں بعض مقامات پر مومن اور باطل فرقوں کیلیئے اسلوب تقابل اختیار کیا گیا ہے جو اس کے منظم و مربوط ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے علامہ ابن کثیر نے یہاں بھی آیتوں کی مناسبت اور ان کا باہمی ربط بیان کیا ہے، مثلاً "**وبشر الذین اٰمنوا وعملوا الصلحت.....الخ**" (البقرۃ: ۲۵) کے بارے میں تحریر کرتے ہیں۔

''چونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنے دشمنوں یعنی بد بخت کفار کی سزا اور رسوائی کا تذکرہ کیا تھا، اس لیئے اب اس کی مناسبت سے یہاں اس کے مقابلہ میں اپنے دوستوں یعنی خوش قسمت ایماندار، صالح و نیک لوگوں کے اجر کا ذکر کر رہا ہے، اور صحیح قول کے مطابق قرآن مجید کے مثانی ہونے کا یہی مطلب ہے کہ ایمان کے ساتھ کفر اور سعادت مندوں کے ساتھ بدبختوں یا اس کے برعکس یعنی کفر کے ساتھ ایمان اور بدبختوں کے ساتھ سعادت مندوں کا تذکرہ کیا جائے۔ اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی چیز کے ساتھ اس کے مقابل کا ذکر کیا جائے تو یہ مثانی کہلائے گا اور اگر کسی چیز کے ساتھ اسکے امثال و نظائر کا تذکرہ کیا جائے تو یہ متشابہ ہوگا۔'' (۲۵)

حروف مقطعات پر بحث:

حروف مقطعات کے بارے میں امام ابن کثیر کا نقطہ نظر یہ ہے:

''جن جاہلوں کا یہ خیال ہے کہ قرآن کی بعض چیزوں کی حیثیت محض تعبدی ہے، وہ شدید غلطی پر ہیں۔ یہ تو بہر حال متعین ہے کہ ان حروف (مقطعات) کے کوئی نہ کوئی معنی ضرور ہیں، خدا نے ان کو عبث نازل نہیں فرمایا، اگر ان کے متعلق نبی کریم ﷺ سے کوئی بات ثابت ہوگی تو ہم اسے بیان کرینگے اور اگر حدیث سے کوئی بات معلوم نہ ہوگی تو ہم توقف کریں گے اور یہ کہیں گے کہ "**آمنابہ کل من عند ربنا**" حروف مقطعات کے متعلق علمائے اُمت کا کسی ایک قول اور مفہوم پر

اجماع نہیں ہے بلکہ اختلافات ہیں، اس لیئے اگر کسی دلیل سے کسی کے نزدیک کوئی مفہوم زیادہ واضح ہے تو اس کو وہ مفہوم اختیار کر لینا چاہئے، ورنہ حقیقت حال کے انکشاف تک توقف کرنا چاہئے۔"(۲۶)

ابن کثیر نے زیر بحث کتاب میں حروف مقطعات پر عمدہ بحث کی ہے، اس سلسلے میں وہ مختلف مفسرین کے اقوال کی روشنی میں ان کے معانی و مفاہیم متعین کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔(۲۷)

فضائل سور و آیات:

"تفسیر ابن کثیر" میں سورتوں اور آیتوں کے فضائل وخصوصیات، آنحضورﷺ کا اُن پر تعامل اور امت کو ترغیب وتلقین کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ابن کثیر نے اہم کتب احادیث کے علاوہ امام نسائیؒ کی معروف تصنیف "عمل الیوم واللیلة" اور امام بیہقی کی "کتاب الخلافیات" سے بھی استفادہ کیا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب کے آغاز میں سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران کے فضائل کا مفصل بیان ہے۔ اسی طرح آیت "ولقد اتیناک سبعاً من المثانی" (الحجر:۸۷) کے تحت سبع مثانی کی تفسیر میں سات مطول سورتوں بشمول سورۃ البقرہ و آل عمران کے فضائل و خصائص تحریر کیئے گئے ہیں۔(۲۸)

امام ابن کثیر سورۃ حشر کی آخری تین آیتوں کے متعلق فرماتے ہیں:

"مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جو شخص صبح کو تین مرتبہ "اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطٰن الرجیم" پڑھ کر سورۃ حشر کی آخری تین آیتوں کو پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے ستر ہزار فرشتے مقرر کرتا ہے جو شام تک اس پر رحمت بھیجتے ہیں اور اگر اسی دن اس کا انتقال ہو جائے تو شہادت کا مرتبہ پاتا ہے اور جو شخص ان کی تلاوت شام کے وقت کرے، وہ بھی اسی حکم میں ہے۔"(۲۹)

امام صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ''جادو کو دور کرنے اور اس کے اثر کو زائل کرنے کیلئے سب سے اعلیٰ چیز معوذتان یعنی سورۃ الفلق اور سورۃ الناس ہیں۔ حدیث میں ہے کہ ان جیسا کوئی تعویذ نہیں۔ اسی طرح آیت الکرسی بھی شیطان کو دفع کرنے میں اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔'' (۳۰)

اشعار سے استشہاد:

ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ایک انداز یہ بھی اختیار کیا ہے کہ وہ کسی آیت کے معنی و مفہوم کو واضح کرنے کیلئے حسب موقع عربی اشعار پیش کرتے ہیں۔ یہ طرز غالباً انہوں نے طبری سے حاصل کیا ہے۔

آیت ''قل متاع الدنیا قلیل والآخرۃ خیر لمن اتقیٰ'' (النساء: ۷۷) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے موصوف نے ابومصہر کے یہ اشعار بیان کیئے ہیں۔

ولا خیر فی الدنیا لمن لم یکن له

من الله فی دار المقام نصیب

فان تعجب الدنیا رجالا فانها

متاع قلیل والزوال قریب(۳۱)

(اس شخص کیلئے دنیا میں کوئی بھلائی نہیں جس کو اللہ کی طرف سے آخرت میں کوئی حصہ ملنے والا نہیں۔ گو یہ دنیا بعض لوگوں کو پسندیدہ معلوم ہوتی ہے، لیکن دراصل یہ معمولی سا فائدہ ہے اور وہ بھی ختم ہونے والا ہے)

آیت ''وانی لا ظنک یفرعون مثبوراً'' (بنی اسرائیل: ۱۰۲) میں لفظ ''مثبور'' کے معنی ہلاک ہونا۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ معنی عبداللہ بن زبعریٰ کے اس شعر میں بھی ہیں:

اذا جار الشیطن فی سنن الغی

ومن مال میله مثبور(۳۲)

(جب شیطان سرکشی کے طریقوں پر چلتا ہے اور پھر جو لوگ بھی اسکے طریقے پر چلیں تو وہ ہلاک ہو جاتے ہیں)۔

لغت عرب سے استدلال:

ابن کثیر تفسیر میں لغت سے بھی استدلال کرتے ہیں اور اقوال عرب کو نظائر وشواہد کے طور پر پیش کرتے ہوئے آیت کی تشریح وتوضیح کرتے ہیں مثلاً "**فقليلاً ما يؤمنون**" (البقرۃ:۸۸) کے متعلق لکھتے ہیں:

''اس کے ایک معنی یہ ہیں کہ یہ بالکل ایمان نہیں رکھتے، جیسے عرب کہتے ہیں "**فلما رائيت مِثل هذا قط**" مطلب یہ ہے کہ میں نے اس جیسا بالکل نہیں دیکھا۔''(۳۳)

"**يسئلونک ماذا احل لهم قل احل لكم الطيبت وما علمتم من الجوارح مكلبين**" (المائدۃ:۴) کی تفسیر میں لفظ ''جوارح'' کو زیر بحث لاتے ہیں اور لکھتے ہیں:

''شکاری حیوانات کو جوارح اس لیئے کہا گیا ہے کہ جرح سے مراد کسب اور کمائی ہے، جیسے کہ عرب کہتے ہیں "**فلان جرح اهله خيراً**" یعنی فلاں شخص نے اپنے اہل وعیال کیلئے بھلائی حاصل کرلی ہے۔ نیز عرب کا ایک قول یہ بھی ہے "**فلان لا جارح له**" یعنی فلاں شخص کا کوئی کمانے والا نہیں۔'(۳۴)

جمہور مفسرین اور ابن کثیر:

ابن کثیر اپنی ''تفسیر'' میں متقدمین علمائے تفسیر کے مختلف اقوال کا قدر مشترک تلاش کر کے اس کو ہم معنی ثابت کرتے ہیں اور اکثر جمہور علماء اہل سنت والجماعت کے نقطہ نظر سے اتفاق کرتے ہیں مثلاً آیت "**ومن كان مريضا او عَلٰى سفر فعدة من ايام أخر**" (البقرۃ:۱۸۵) کے تحت ابن کثیر قضاء روزوں کے مسئلہ پر جمہور کا یہ مسلک اختیار کرتے ہیں کہ قضاء روزے پے در پے رکھنا

واجب نہیں بلکہ یہ مرضی پر منحصر ہے کہ ایسے روزے الگ الگ دنوں میں رکھے جائیں یا متواتر دنوں میں۔(۳۵)

ابن کثیرنقل و روایت میں مقلد جامد نہ تھے بلکہ ان کی تنقید و تردید بھی کرتے تھے، اس لیئے وہ سلف کی تفسیروں کے پابند ہونے کے باوجود بعض اوقات ان کی آراء سے اختلاف بھی کرتے ہیں، مثلاً آیت "**فلما اتهما صالحاً جعلاله شر کآءَ فیما اتهما......الخ**" (الاعراف:۱۹۰) کی تفسیر میں ابن عباسؓ کی روایت بیان کی ہے کہ حضرت حواؑ کی جو اولاد پیدا ہوتی تھی وہ ان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کیلیئے مخصوص کر دیتی تھیں اور ان کا نام عبداللہ، عبید اللہ وغیرہ رکھتی تھیں۔ یہ بچے مرجاتے تھے، چنانچہ حضرت آدمؑ وَ حواؑ کے پاس ابلیس آیا اور کہنے لگا کہ اگر تم اپنی اولاد کا کوئی اور نام رکھو گے تو وہ زندہ رہے گا۔ اب حواؑ کا جو بچہ پیدا ہوا تو ماں باپ نے اس کا نام عبدالحارث رکھا۔ اسی بناء پر اللہ نے فرمایا "**جعلاله شر کآءَ فیما اتهما**" (اللہ کی دی ہوئی چیز میں وہ دونوں اللہ کے شریک قرار دینے لگے)۔

پھر ابن کثیر لکھتے ہیں:

"اس روایت کو ابن عباسؓ سے ان کے شاگردوں مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ اور طبقہ ثانیہ کے قتادہ اور سدی وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ اسی طرح سلف سے خلف تک بہت سے مفسرین نے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے، لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ اہل کتاب سے لیا گیا ہے، اس کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ ابن عباس اس واقعہ کو ابیؓ بن کعب سے روایت کرتے ہیں، جیسے کہ ابن ابی حاتم میں ہے۔ میرے نزدیک یہ اثر نا قابل قبول ہے۔"(۳۶)

سورۃ حج کی آیت (۵۲) "**وماآ ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطن فی امنیته**" کے متعلق ابن کثیر کو جمہور کے نقطہ نظر سے اتفاق نہیں ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

''یہاں پر اکثر مفسرین نے غرانیق کا قصہ نقل کیا ہے اور یہ بھی کہ اس واقعہ کی وجہ سے اکثر مہاجرین حبشہ یہ سمجھ کر کہ اب مشرکین مکہ مسلمان ہوگئے ہیں، واپس مکہ آ گئے، لیکن یہ سب مرسل روایتیں ہیں جو میرے نزدیک مستند نہیں ہیں۔ اس روایت کو محمد بن اسحاق نے سیرت میں نقل کیا ہے، لیکن یہ سب مرسل اور منقطع ہیں۔ امام بغویؒ نے بھی اپنی تفسیر میں ابن عباس اور محمد بن کعب قرظی سے اس طرح کے اقوال نقل کرنے کے بعد خود ہی ایک سوال وارد کیا ہے کہ جب رسول کریم ﷺ کی عصمت کا محافظ خود خدا تعالیٰ ہے تو ایسی بات کیسے واقع ہوگئی؟ پھر اس کے کئی جوابات دیئے ہیں، جن میں سب سے صحیح اور قرین قیاس جواب یہ ہے کہ شیطان نے یہ الفاظ مشرکین کے کانوں میں ڈالے، جس سے ان کو یہ وہم ہوگیا کہ یہ الفاظ آنحضور ﷺ کے منہ سے نکلے ہیں۔ حقیقت میں ایسا نہیں تھا بلکہ یہ صرف شیطانی حرکت تھی، رسول ﷺ کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔''(۳۷)

علم القراءۃ اور لغوی تحقیق:

ابن کثیر قرآنی آیات کی تفسیر کرتے ہوئے حسب موقع اختلاف قرات و اعراب، صرفی و نحوی ترکیب اور الفاظ کی لغوی تحقیق کے علاوہ ان کے مصادر، تثنیہ، جمع اور اصطلاحی مفہوم بیان کرتے ہیں، مثلاً آیت ''**ولقد مکنکم فی الارض وجعلنا لکم فیھا معایش**'' (الاعراف:۱۰) میں لفظ ''**معایش**'' کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:

لفظ ''مَعَایِش'' کو سب لوگ (ی) کے ساتھ پڑھتے ہیں یعنی ہمزہ کے ساتھ ''مَعَائِش'' نہیں پڑھتے، لیکن عبدالرحمٰن بن ہرمز اس کو ہمزہ کے ساتھ پڑھتے ہیں، اور صحیح تو یہی ہے جو اکثر کا خیال ہے یعنی بلا ہمزہ، اس لیئے کہ ''مَعَایِش'' جمع ''معیشۃ'' کی ہے۔ یہ مصدر ہے، اس کے افعال ''عاش، یعیش، معیشۃ'' ہیں اس مصدر کی اصلیت ہے ''مَعْیِشَہ'' کسرہ (ی) پر ثقیل تھا، اس لیئے عین کی طرف منتقل کر دیا گیا ہے اور لفظ ''مَعْیِشَۃ، مَعِیْشَۃ'' بن گیا۔ پھر اس واحد کی جب

جمع بن گئی تو (ی) کی طرف حرکت پھر لوٹ آئی کیونکہ اب ثقالت باقی نہیں رہی، چنانچہ کہا گیا کہ "مَعَایِش" کا وزن مفاعل ہے، اس لیئے کہ اس لفظ میں (ی) اصل ہے بخلاف مدائن، صحائف اور بصائر کے کہ یہ مدینۃ، صحیفۃ اور بصیرۃ کی جمع ہیں، چونکہ (ی) اس میں زائد ہے، لہذا جمع بروزن فعائل ہوگی اور ہمزہ بھی آئے گا۔"(۳۸)

"واذ تاذن ربک لیبعثن علیھم.....الخ" (الاعراف:۱۶۷) میں لفظ "تاذن" پر اس طرح بحث کرتے ہیں:

"تاذن بروزن تفعل" اذان سے مشتق ہے یعنی حکم دیا یا معلوم کرایا اور چونکہ اس آیت میں قوت کلام کی شان ہے، اس لیئے "لیبعثن" کا (ل) معنائے قسم کا فائدہ دے رہا ہے، اس لیئے (ل) کے بعد ہی "یبعثن" لایا گیا۔ ہم کی ضمیر یہود کی طرف ہے۔"(۳۹)

لغوی بحث کے عمدہ مثال ہمیں زیر تبصرہ کتاب کے آغاز میں تعوذ، تسمیہ اور سورۃ الفاتحہ کی تفسیر میں نظر آتی ہے۔

ابن کثیر لفظ "صلوۃ" کی تحقیق فرماتے ہیں:

عربی لغت میں (صلوۃ) کے معنی دعا کے ہیں۔ اعشیٰ کا شعر ہے:

لھا حارس لا یبرح الدھر بیتھا
وان ذبحت صلی علیھا وزمزما

یہ شعر بھی اعشیٰ سے منقول ہے۔

وقابلھا الریح فی دنھا
وصلی علی دنھا وارتسم

ان اشعار میں (صلوۃ) کا لفظ دعا کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ شریعت میں اس لفظ کا استعمال نماز پر ہے۔ یہ رکوع و سجود اور دوسرے خاص افعال کا نام ہے جو جملہ شرائط، صفات اور

اقسام کے ساتھ سرانجام دیئے جاتے ہیں۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ نماز کو صلوۃ اس لیئے کہا جاتا ہے کہ نمازی اللہ تعالیٰ سے اپنے عمل کا ثواب طلب کرتا ہی اور اپنی حاجتیں اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے ار یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جو دو رگیں پیٹھ سے ریڑھ کی ہڈی کے دونوں طرف آتی ہیں، انہیں عربی میں "صَلَوَیْن" کہتے ہیں۔ چونکہ نماز میں یہ ملتی ہیں۔ اس لیئے نماز کو صلوۃ کہا گیا ہے، لیکن یہ قول ٹھیک نہیں۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ ماخوذ ہے "صَلّٰی" سے، جس کے معنی ہیں چپک جانا اور لازم ہو جانا، جیسا کہ قرآن میں ہے "لَایصلاھا" یعنی جہنم میں ہمیشہ نہ رہے گا مگر بد بخت۔ بعض علماء کا قول ہے کہ جب لکڑی کو درست کرنے کیلئے اسے آگ پر رکھتے ہیں تو عرب "تَصْلِیَہ" کہتے ہیں۔ چونکہ نمازی بھی اپنے نفس کی کجی اور ٹیڑھ پن کو نماز سے درست کرتا ہے، اس لیئے اسے صلوۃ کہتے ہیں جیسے قرآن میں ہے "ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللہ اکبر" یعنی نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر ہی بڑا ہے۔ لیکن اس کا دعا کے معنی میں ہونا ہی زیادہ صحیح ہے اور زیادہ مشہور ہے۔ ''واللہ اعلم'' (۴۰)

ابن کثیر مترادفات پر بھی خوبصورت انداز میں بحث کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں قلیل اور تھوڑی مقدار کیلئے بطور تمثیل نقیر، فتیل اور قطمیر کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ موصوف سورۃ نساء کی آیت (۱۲۴) "ومن یعمل من الصلحت من ذکر اوانثی وھو مومن فاولئک یدخلون الجنۃ ولا یظلمون نقیرا" کے تحت مذکور الفاظ کی تشریح کرتے ہیں:

''کھجور کی گٹھلی کی پشت پر جو ذرا سی جھلی ہوتی ہے، اسے نقیر کہتے ہیں۔ اس گٹھلی کے درمیان جو ہلکا سا چھلکا ہوتا ہے، اس کو فتیل کہتے ہیں۔ یہ دونوں کھجور کے بیج میں ہوتے ہیں اور بیج کے اوپر کے لفافے کو قطمیر کہتے ہیں اور یہ تینوں لفظ اس موقع پر قرآن میں آئے ہیں۔'' (۴۱)

ناسخ ومنسوخ:

ناسخ ومنسوخ کی شناخت فن تفسیر میں نہایت اہم ہے۔ اس علم سے معلوم ہوتا ہے کہ

قرآن کریم کی کون سی آیت محکم ہے اور کون سی متشابہ۔ مفسر قرآن کیلئے اس علم میں مہارت نہایت ضروری ہے تاکہ وہ صحیح معنوں میں احکامات و مسائل کی توضیح و تشریح کر سکے۔ ابن کثیر اس علم میں بھی دسترس رکھتے تھے۔ وہ ناسخ و منسوخ آیات کی وضاحت، ان کے بارے میں مفسرین اور فقہاء کی اختلافی آراء اور جمہور کی تائید میں اپنے نقطہ نظر کا اظہار کرتے ہیں، مثلاً، "**والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا و صیة لازواجهم متاعاً الی الحول... الخ**"(البقرة: ۲۴۰) کے متعلق اکثر صحابہ و تابعین سے نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت چار مہینے دس دن والی عدت کی آیت یعنی "**والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجاً یتربصن بانفسهن اربعة اشهر و عشراً**"(البقرة:۲۳۴) سے منسوخ ہو چکی ہے۔ (۴۲)

"**انفرو خفافاً و ثقالاً و جاهدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل الله... الخ**" (التوبہ:۴۱) کے تحت لکھتے ہیں کہ اس آیت میں غزوہ تبوک کیلئے تمام مسلمانوں کو ہر حال میں نبی ﷺ کے ہمراہ جانے کا حکم دیا گیا ہے، خواہ کوئی آسانی محسوس کرے یا تنگی، بڑھاپے کی حالت میں ہو یا بیماری کا عذر۔ لوگوں پر یہ حکم گراں گزرا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے آیت "**لیس علی الضعفآء ولا علی المرضٰی ولا علی الذین لا یجدون ما ینفقون اذا نصحوا لله ورسوله**"(التوبہ:۹۱) سے منسوخ کر دیا۔ یعنی ضعیفوں، بیماروں اور تنگ دست فقیروں پر جبکہ ان کے پاس خرچ تک نہ ہو، اگر وہ دین خدا اور شریعت مصطفیٰ ﷺ کے حامی، طرف دار اور خیر خواہ ہوں تو میدان جنگ میں نہ جانے پر کوئی حرج نہیں۔ (۴۳)

تلخیص کلام:

ابن کثیر کے انداز تحریر کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ کسی آیت کی تفسیر میں جامع بحث اور تبصرے کے بعد اس کا خلاصہ تحریر کرتے ہیں اور اخذ کردہ نتائج کو سامنے لاتے ہیں، مثلاً آیت "**فمن کان منکم مریضاً او علیٰ سفر ... الخ**"(البقرة:۱۸۴) کے متعلق احادیث و اقوال کی

روشنی میں طویل گفتگو کے بعد اس کا لب لباب تحریر کیا ہے۔(۴۴)

آیت "**قل انما حرم ربی الفواحش ما ظهر منها وما بطن والاثم والبغی بغیر الحق**" (**الاعراف:۳۳**) کے تحت تشریح وتوضیح کے بعد لکھتے ہیں:

''حاصل بحث تفسیر یہ ہے کہ ''اثم'' وہ خطایات ہیں جو فاعل کی اپنی ذات سے متعلق ہیں اور ''بغی'' وہ تعدی ہے جو لوگوں تک متجاوز ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کو حرام فرمایا ہے۔''(۴۵)

خصوصیات:

تفسیر ابن کثیر کی چند نمایاں خصوصیات جو دوسروں سے انہیں ممتاز کرتی ہیں۔

اسرائیلیات:

منقولی تفاسیر کی ایک بڑی خامی یہ ہے کہ ان میں اسرائیلی خرافات کثرت سے نقل کی گئی ہیں، ایسی روایت کے بارے میں ابن کثیر اپنا نقطہ نظر ''تفسیر القران العظیم'' میں یوں بیان کرتے ہیں:

''ہمارا مسلک یہ ہے کہ اس تفسیر میں اسرائیلی روایات سے احتراز کیا جائے۔ ان میں پڑنا وقت کا ضیاع ہے۔ اس قسم کی اکثر روایتوں میں جھوٹ بھی ہوتا ہے، کیونکہ اس امت کے ائمہ فن اور نقاد ان حدیث کی طرح اہل کتاب نے صحیح وسقیم میں تفریق نہیں کی۔''(۴۶)

اگرچہ تفسیر ابن کثیر بھی اسرائیلیات سے خالی نہیں ہے تاہم اس کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مولف اسرائیلی واقعات محض استشہاد کے طور پر بیان کرتے ہیں۔ جن پر اجمالاً اور بعض اوقات تفصیلاً نقد و جرح کرتے ہیں، مثلاً سورۃ البقرۃ کی آیت(٦٧) "**ان الله یا مرکم ان**

تذبحوا بقرة" کی تفسیر کرتے ہوئے بنی اسرائیل کی گائے کا طویل قصہ ذکر کیا ہے۔ پھر اس میں سلف سے منقول روایات تحریر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

"ابو عبیدہ، ابو العالیہ اور سدی سے جو روایات منقول ہیں، ان میں اختلاف ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ روایت بنی اسرائیل کی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔ بلاشبہ ان کو نقل کرنا درست ہے مگر ان کی تصدیق و تکذیب نہیں کی جاسکتی، لہذا ان پر اعتماد کرنا درست نہیں ماسوا اس روایت کے جو اسلامی حقائق کے مطابق ہو۔" (۴۸)

اسی طرح سورۃ انبیاء کی آیت(۵۱) "ولقد اتینآ ابراٰهیم رشده من قبل وکنابه علمین" کے تحت تحریر کرتے ہیں۔

"یہ جو قصے مشہور ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کے دودھ پینے کے زمانے میں ہی ان کی والدہ نے انہیں ایک غار میں رکھا تھا جہاں سے وہ مدتوں بعد باہر نکلے اور مخلوقات خدا پر خصوصاً چاند تاروں وغیرہ پر نظر ڈال کر خدا کو پہچانا۔ یہ سب بنی اسرائیل کی افسانے ہیں۔ ان میں سے جو واقعہ کتاب و سنت کے مطابق ہو وہ سچا اور قابل قبول ہے اس لیئے کہ وہ صحت کے مطابق ہے اور جو خلاف ہو وہ مردود اور نا قابل قبول ہے اور جس کی نسبت ہماری شریعت خاموش ہو، مخالفت و موافقت کچھ نہ ہو، گو اس کا روایت کرنا بقول اکثر مفسرین جائز ہے، لیکن نہ تو ہم اسے سچا کہہ سکتے ہیں نہ غلط۔ ان (اسرائیلیات) میں سے اکثر واقعات ایسے ہیں جو ہمارے لیئے کچھ سند نہیں اور نہ ہی ان میں ہمارا کوئی دینی نفع ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہماری جامع، نافع، کامل و شامل شریعت اس کے بیان میں کوتاہی نہ کرتی۔" (۴۸)

زیر بحث تفسیر کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن کثیر اسرائیلیات کے بارے میں اپنے موقف اور نظریہ پر مکمل طور پر کاربند نہ رہ سکے اور تساہل و تسامح اختیار کرتے ہوئے بعض ایسی روایات بھی بیان کی ہیں جن کو فی الواقع خود ان کے اصول کے مطابق اس تفسیر میں شامل نہیں کرنا

چاہئے تھا، مثلاً "واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا" (النساء: ۱۲۵) کے متعلق ابن جریر کے حوالے سے ایک اسرائیلی روائیت ذکر کی ہے جس کی حقیقت داستان سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''بعض کہتے ہیں کہ ابراہیمؑ کو خلیل اللہ کا لقب اس لیئے ملا کہ ایک دفعہ قحط سالی کے موقع پر آپ اپنے دوست کے پاس مصر یا موصل گئے تا کہ وہاں سے کچھ اناج وغیرہ لے آئیں، لیکن یہاں کچھ نہ ملا اور خالی ہاتھ لوٹنا پڑا۔ جب آپ واپس اپنی بستی کے قریب پہنچے تو خیال آیا کہ ریت کے تودے میں سے اپنی بوریاں بھر کر لے چلوں تا کہ گھر والوں کو قدرے تسکین ہو جائے، چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا اور ریت سے بھری بوریاں جانوروں پر لاد کر لے چلے۔ قدرت خداوندی سے وہ ریت سچ مچ آٹا بن گئی۔ آپ تو گھر پہنچ کر لیٹ گئے، تھکے ہارے تھے، آنکھ لگ گئی۔ گھر والوں نے بوریاں کھولیں اور انہیں بہترین آٹے سے بھرا ہوا پایا۔ آٹا گوندھا اور روٹیاں پکائیں۔ جب یہ جاگے اور گھر میں سب کو خوش پایا اور روٹیاں بھی تیار دیکھیں تو تعجب سے پوچھنے لگے، آٹا کہاں سے آیا جس سے روٹیاں پکائیں؟ انہوں نے کہا کہ آپ ہی تو اپنے دوست کے ہاں سے لائے ہیں۔ اب آپ سمجھ گئے اور فرمایا، ہاں! یہ میں اپنے دوست اللہ عزوجل سے لایا ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کو اپنا دوست بنالیا اور آپ کا نام خلیل اللہ رکھ دیا۔''(۴۹)

اسی طرح "و ایوب اذنادیٰ ربه انی مسنی الضرو انت أرحم الرّحمین" (الأنبیاء:۸۳) کے تحت بعض ایسی روایات نقل کی ہیں جن کا کوئی ثبوت نہیں۔(۵۰)

"و اتینا ہ أهله ومثلهم معهم رحمة" (الانبیاء:۸۴) کی تفسیر میں ایک روایت تحریر ہے کہ حضرت ایوبؑ کی بیوی کا نام رحمت ہے۔(۵۱)

ابن کثیر اس قسم کی روایات میں یہ انداز اختیار کرتے ہیں کہ ان کی تصدیق یا تکذیب کئے بغیر واللہ أعلم کہہ کر ان پر نقد وتبصرے سے گریز کرتے ہیں۔

غیر ضروری مسائل کی تحقیق و تجسس سے احتراز:

کتب تفسیر کی ایک خامی یہ بھی ہے کہ ان میں غیر ضروری اور بے سود باتوں کی تحقیق بڑے اہتمام سے کی جاتی ہے جو قرآن کے مقصد تذکیر و استدلال کے بالکل خلاف ہے۔ ابن کثیر نے ایسے مسائل کی تحقیق و جستجو کی نہ صرف مذمت کی ہے بلکہ اپنی تفسیر میں غیر ضروری اور غیر اہم مباحث سے حتی الامکان پرہیز کیا ہے، مثلاً "**فخذ اربعة من الطير**" (البقرۃ:۲۶۰) کے متعلق لکھتے ہیں:

''ان چاروں پرندوں کی تعیین میں مفسرین کا اختلاف ہے، حالانکہ ان کی تعیین بے سود اور غیر ضروری ہے۔ اگر یہ کوئی اہم بات ہوتی تو قرآن ضرور اس کی تصریح کرتا۔''(۵۲)

وسیع معلومات:

ابن کثیر نے تفسیر قرآن مرتب کرنے کیلئے ہر اس حدیث اور اثر کو اکٹھا کیا جو اس میدان میں ممکن تھی۔ قاری اس کتاب کے مطالعے سے نہ صرف احادیث و روایات کے وافر ذخیرے سے مستفیض ہوتا ہے بلکہ اسے تفسیر، فقہ و کلام اور تاریخ و سیرت کی وسیع اور مستند معلومات بھی حاصل ہوتی ہیں۔

عدم تکرار:

ابن کثیر کی تفسیر میں تکرار نہیں پایا جاتا ما سوا ان بعض روایات کے جو انہوں نے مقدمہ کی بحث میں نقل کی ہیں۔ وہ کسی آیت کی تفسیر و تشریح کو دہرانے کی بجائے اس کا اجمالاً ذکر کرتے ہیں اور اس کی قبل ازیں تفسیر کا حوالہ دیتے ہوئے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہیں، مثلاً موصوف حروف مقطعات پر شرح و بسط کے ساتھ سورۃ بقرہ کی تفسیر میں بحث کر چکے ہیں، اس لئے بعد میں جن سورتوں میں یہ حروف آئے ہیں، ان کو زیر وضاحت نہیں لاتے مثلاً "**مرج البحرين يلتقين**" (الرحمٰن:۱۹) کے متعلق لکھتے ہیں:

''ہم اس کی پوری تشریح سورۃ فرقان کی آیت ''وھو الذی مرج البحرین.....الخ'' کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں۔''(۵۳)

ماثور دعاؤں کا بیان:

''تفسیر ابن کثیر'' میں موقع و محل کے مطابق آنحضورﷺ اور صحابہ کرامؓ کے معمول کی بعض دعاؤں کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔ مثلاً رسول کریمﷺ تہجد کے وقت جو دعائیں پڑھتے تھے، ان کو نقل کیا گیا ہے۔(۵۴)

سنن ابن ماجہ کے حوالے سے روزہ افطار کرنے کے وقت صحابہ کرامؓ کی یہ دعا ذکر کی گئی ہے:''**اللھم انی اسالک برحمتک التی وسعت کل شئی ان تغفرلی**''(۵۵)

حضرت ابوبکرؓ کے سوال پر نبی اکرمﷺ نے شرک سے بچنے کی یہ دعا سکھائی ''**اللھم انی اعوذبک ان اشرک بک وانا اعلم واستغفرک مما لا اعلم**'' (۵۶)

قصص و احکام کے اسرار:

''تفسیر ابن کثیر'' کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں واقعات اور احکام کے اسرار و رموز بھی بیان کئے گئے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ اسلوب مصنف نے امام فخر الدین رازی کی پیروی میں اختیار کیا ہے۔ چنانچہ ابن کثیر نے مختلف واقعات اور قصص کو بحث و تحقیق کا موضوع بنایا ہے اور حقائق تک پہنچنے کی سعی کی ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کے احکام کو بھی انہوں نے دقت نظر سے لکھا ہے، مثلاً سورۃ فاتحہ کے تمام مطالب کی حکیمانہ تشریح کی ہے اور پھر لکھتے ہیں:

''یہ مبارک سورۃ نہایت کارآمد مضامین کا مجموعہ ہے۔ ان سات آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد، اس کی بزرگی، اس کی ثناء وصفت اور اس کے پاکیزہ ناموں کا اور اس کی بلند و بالا صفتوں کا بیان ہے۔ اس سورۃ میں قیامت کے دن کا ذکر ہے اور بندوں کو اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ وہ صرف

اسی سے سوال کریں، اس کی طرف تضرع و زاری کریں، اپنی مسکینی و بے کسی کا اقرار کریں، اس کی عبادت خلوص کے ساتھ کریں اس کی توحید والوہیت کا اقرار کریں اور اسے شریک، نظیر اور مماثل سے پاک اور برتر جانیں، صراط مستقیم کی اور اس پر ثابت قدمی کی اس سے طلب کریں۔ یہی ہدایت انہیں قیامت کے دن پل صراط سے بھی پار پہنچا دے گی اور نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کے قرب میں جنت الفردوس میں جگہ دلوائے گی۔ یہ سورۃ نیک اعمال کی ترغیب پر بھی مشتمل ہے تاکہ قیامت کے دن نیک لوگوں کا ساتھ ملے اور باطل راہوں پر چلنے سے خوف دلایا گیا ہے تاکہ قیامت کے دن ان کی جماعتوں سے دوری ہو۔''(۵۷)

''ویقمیون الصلوۃ وممارزقنھم ینفقون'' (البقرۃ:۳) کے تحت لکھتے ہیں ''قرآن کریم میں اکثر جگہ نماز کا اور مال خرچ کرنے کا ذکر ملا جلا ملتا ہے، اس لئے کہ نماز خدا کا حق ہے اور اس کی عبادت ہے جو اس کی توحید، اس کی ثناء، اس کی بزرگی، اس کی طرف جھکنے، اس پر توکل کرنے، اس سے دعا کرنے کا نام ہے اور خرچ کرنا مخلوق کی طرف احسان ہے جس سے انہیں نفع پہنچے۔ اس کے زیادہ حقدار اہل و عیال اور غلام ہیں، پھر دور والے اجنبی، پس تمام واجب خرچ اخراجات اور فرض زکوۃ اس میں شامل ہے۔''(۵۸)

سورۃ ھود کی آیت (۹۴) ''واخذت الذین ظلموا الصیحۃ'' کے سلسلے میں کہتے ہیں:

''یہاں صیحہ اعراف میں رجفہ اور سورۃ شعراء میں ''عذاب یوم الظلۃ'' کا ذکر ہے، حالانکہ یہ ایک ہی قوم کے عذاب کا تذکرہ ہے، لیکن ہر مقام پر اس لفظ کو لایا گیا ہے جس کا موقع کلام متقاضی تھا۔ سورۃ اعراف میں حضرت شعیبؑ کو قوم نے بستی سے نکالنے کی دھمکی دی تھی، اس لیئے رجفہ کہنا مناسب تھا۔ یہاں چونکہ پیغمبر سے ان کی بدتمیزی اور گستاخی کا ذکر تھا، اس لیئے صیحہ کا لفظ لایا گیا ہے اور سورۃ الشعرآء میں انہوں نے بادل کا ٹکڑا آسمان سے اُتارنے کا مطالبہ کیا تھا، اس لیئے وہاں ''فاخذھم عذاب یوم الظلۃ'' کہا گیا اور یہ سب اسرار دقیقہ ہیں۔ (۵۹) حیرانگی کی بات ہے کہ یہی اسلوب بعد میں علامہ محمود آلوسی نے اپنایا ہے۔

مصادر و مراجع کی نشاندہی:

امام ابن کثیر آیات کی تفسیر کرتے ہوئے بوقت ضرورت اضافی معلومات اور اختلافی نکات کو نمایاں کرنے کیلئے اکثر مولفین کے نام اور بعض اوقات ان کی کتابوں کے حوالے دیتے جاتے ہیں، جن کو تصنیف ممدوح میں مرجع بنایا گیا ہے، اس طریقہ کار کے ضمنی فوائد میں سے ایک یہ ہے کہ محققین کیلئے ان مصادر سے براہ راست مستفیض ہونے کی سہولت ہوگئی، دوسرا یہ کہ سابقہ مولفین کی بیش قیمت آراء اور ان کی بہت سی ایسی کتابیں جو اب نایاب ہیں، ان کے نام اور اقتباسات کے نمونے بھی محفوظ ہوگئے۔

تفسیر ابن کثیر کی قدر و منزلت:

مورخین اور اصحاب نظر اس تفسیر کی تعریف اور توصیف میں رطب اللسان ہیں۔

امام سیوطی کی رائے ہے کہ ''اس طرز پر اب تک اس سے اچھی کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی۔''(۶۰)

صاحب ''البدر الطالع'' فرماتے ہیں:

''ابن کثیر نے اس میں بہت سا مواد جمع کر دیا ہے۔ انہوں نے مختلف مذاہب و مسالک کا نقطہ نظر اور اخبار و آثار کا ذخیرہ نقل کرکے ان پر عمدہ بحث کی ہے۔ یہ سب سے بہترین تفسیر نہ سہی، لیکن عمدہ تفاسیر میں شمار ہوتی ہے۔''(۶۱)

ابوالمحاسن الحسینی کا بیان ہے:

''روایات کے نقطہ نظر سے یہ سب سے مفید کتاب ہے کیونکہ (ابن کثیر) اس میں اکثر روایات کی اسناد پر جرح و تعدیل سے کلام کرتے ہیں اور عام روایت نقل کرنے والے مفسرین کی طرح وہ مرسل روایتیں نہیں ذکر کرتے۔''(۶۲)

علامہ احمد محمد شاکر لکھتے ہیں:

''امام المفسرین ابوجعفر الطبری کی تفسیر کے بعد ہم نے عمدگی اور گہرائی میں (تفسیر ابن کثیر کو) سب سے بہتر پایا ہے اور ہم نہ تو ان دونوں کے درمیان اور نہ ہی ان کے بعد کی کسی تفسیر سے موازنہ کر سکتے ہیں، جو ہمارے سامنے ہیں۔ ہم نے ان دونوں جیسی کوئی تفسیر نہیں دیکھی اور نہ کوئی تفسیر ان کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ علماء کے نزدیک یہ تفسیر، حدیث کے طالب علموں کیلئے اسانید و متون کی معرفت اور نقد و جرح میں بہت معاون ہے۔ اس لحاظ سے یہ ایک عظیم علمی کتاب ہے اور اس کے بہت فوائد ہیں۔''(۶۳)

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا ''تفسیر ابن کثیر'' کے بارے میں یہ بیان ہے:

''ابن کثیر کی تفسیر بنیادی لحاظ سے فقہ اللغۃ کی کتاب ہے اور یہ اپنے اسلوب کے لحاظ سے اولین کتب میں شمار ہوتی ہے۔ بعد میں سیوطی نے جو کام کیا، اس پر اس کے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔''(۶۴)

خلاصہ کلام یہ کہ ابن کثیر ان تمام علوم و شرائط پر حاوی نظر آتے ہیں جن کا جاننا ایک مفسر کیلئے ضروری ہے۔ انہوں نے تحقیق اور دقت نظری سے ''تفسیر قرآن'' کو مرتب کیا ہے جو قیمتی معلومات کا گنجینہ اور نہایت گراں بہا تفسیری ورثہ ہے۔ اگرچہ ابن کثیر کے توسع کی بناء پر اس کتاب میں بعض مقامات پر اعلیٰ اور بلند محدثانہ معیار خاطر خواہ قائم نہیں رہ سکا ہے، تاہم اہل نظر کو اعتراف ہے کہ محدثانہ نقطہ نظر سے یہ سب سے زیادہ قابل اعتماد تفسیر ہے۔ کتب تفسیر بالماثور میں اس کو امتیازی مقام حاصل ہے اور متاخرین نے ایک بنیادی مصدر کی حیثیت سے اس سے خوب استفادہ کیا ہے۔ جو شخص قرآن حکیم کے مطالب و معانی اور اسرار و رموز سے آگاہ ہونا چاہتا ہے وہ تفسیر ابن کثیر سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔

حواشی

۱۔ الداؤدی، طبقات المفسرین، ۱/۱۱۲۔ بعض مورخین نے ابن کثیر کا سن ولادت ۷۰۰ھ قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو، شذرات الذھب لابن العماد، ۶/۲۳۱، ذیل طبقات الحفاظ لجلال الدین السیوطی، صفحہ ۳۶۱، مطبعۃ التوفیق بدمشق، ۱۳۴۷ھ، عمدۃ التفسیر عن الحافظ ابن کثیر لاحمد محمد شاکر، ۱/۲۲، دارالمعارف القاھرۃ، ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء۔ اسماعیل پاشابغدادی، امام ابن کثیر کا زمانہ ولادت ۷۰۵ھ بیان کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ ھدیۃ العارفین، اسماء المولفین و آثار المصنفین، ۱/۲۱۵، وکالۃ المعارف، استانبول، ۱۹۵۵ء۔ امام صاحب کے سن ولادت کے بارے میں اسماعیل پاشا البغدادی کا بیان درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ امام صاحب کے والد ۷۰۳ھ میں فوت ہوئے۔ امام ابن کثیر کا اپنا بیان ہے کہ میں اپنے والد کی وفات کے وقت تقریباً تین سال کا تھا۔ ملاحظہ ہو، البدایہ والنہایہ لابن کثیر، ۱۴/۳۲۔ خود امام ابن کثیر اپنی کتاب ''البدایہ والنھایہ'' میں ۷۰۱ھ کے واقعات بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں ''وفیھا ولد کاتبہ اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی'' (البدایۃ والنھایہ، ۱۴/۲۱)

۲۔ احمد محمد شاکر، عمدہ التفسیر، ۱/۲۲۔ بعض مآخذ کے مطابق ابن کثیر دمشق کے مضافات میں مشرقی بصریٰ کی ایک بستی ''مجدل القریۃ'' میں پیدا ہوئے۔ (ملاحظہ ہو، ذیل تذکرۃ الحفاظ لابی المحاسن شمس الدین الحسینی، صفحہ ۵۷، مطبعۃ التوفیق، دمشق، ۱۳۴۷ھ) جبکہ مطبوعہ ''البدایہ والنھایہ'' میں ''مجدل القریۃ'' منقول ہے (البدایہ والنھایہ لابن کثیر، ۱۴/۳۱) عمر رضا کحالہ نے مقام ولادت ''جندل'' تحریر کیا ہے۔ (معجم المولفین، ۳/۲۸۴، مطبعۃ الترقی بدمشق، ۱۳۷۶ھ/۱۸۵۷ء)

۳۔ الذھبی، شمس الدین، تذکرۃ الحفاظ، ۴/۱۵۰۸، مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد دکن الھند، ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء، ابن العماد، شذرات الذھب، ۶/۲۳۱، الشوکانی، محمد بن علی، البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع، مطبعۃ السعادۃ القاھرہ، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۴۸ھ۔

۴۔ النعیمی، عبدالقادر بن محمد، الدارس فی تاریخ المدارس، ۱/۳۷، مطبعۃ الترقی، دمشق، ۱۳۶۷۔۷۰ھ۔

۵۔ ابن کثیر، عماد الدین اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، ملاحظہ کیجئے بالترتیب: ۱/۳۶۳، ۳/۴۷۸، ۱/۷۹، ۳۲۷، ۴۵۷، ۴/۵۴۳، ۱/۵۵۵، ۳/۲۹۲، ۱/۲۹۴، ۱/۲۴۳، ۲/۱۴۹، امجد اکیڈمی لاہور، الباکستان، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۲ء۔

۶۔ تفصیل کیلئے دیکھئے، تفسیر ابن کثیر ۱/۳۔۶

۷۔ ایضاً، ۳/۲۴۶۔

۸۔ ایضاً ۳/۲۰۰۔ خود ابن کثیر نے بھی حدیث سجل کے رد میں ایک جزء تحریر کیا ہے جس کا حوالہ انہوں نے اپنی تفسیر میں دیا ہے، ملاحظہ ہو صفحہ مذکور۔

۹۔ ابن کثیر، تفسیر، ۱/۲۱۶۔

۱۰۔ ایضاً، ۱/۳۰۳۔

۱۱۔ ایضاً، ۱/۵۰۱

۱۲۔ ایضاً، ۱/۵۳۶

۱۳۔ ایضاً، ۱/۴۹۹

۱۴۔ ایضاً، ۲/۳۰۴

۱۵۔ ایضاً، ۱/۱۵۳

۱۶۔ ایضاً، ۴/۵۶۵

۱۷۔ ایضاً، ۱/۱۹۳

۱۸۔ ایضاً، ۱/۲۱۶۔۲۱۷

۱۹۔ ایضاً، ۱/۵۰۴۔۵۰۵

۲۰۔ ایضاً،۲/۸۹۔۹۱

۲۱۔ ایضاً،۱/۴۲۶۔۴۲۷

۲۲۔ ایضاً،۳/۴۰۳

۲۳۔ ایضاً،۲/۳۶۴

۲۴۔ ایضاً،۳/۳۳۰

۲۵۔ ایضاً،۱/۶۲

۲۶۔ ایضاً،۱/۳۷

۲۷۔ ایضاً،۱/۳۵۔۳۸

۲۸۔ ایضاً،۱/۳۲۔۳۵ نیز ملاحظہ کیجئے ۲/۵۵۷

۲۹۔ ایضاً،۴/۳۴۴

۳۰۔ ایضاً،۱/۱۴۸

۳۱۔ ایضاً،۱/۵۲۶

۳۲۔ ایضاً،۳/۶۷

۳۳۔ ایضاً،۱/۱۲۴

۳۴۔ ایضاً،۲/۱۶

۳۵۔ ایضاً،۱/۲۱۷

۳۶۔ ایضاً،۲/۲۷۵

۳۷۔ ایضاً،۳/۳۲۹۔۳۳۰

۳۸۔ ایضاً،۲/۲۰۲

۳۹۔ ایضاً،۲/۲۵۹

۴۰۔ ایضاً،۱/۴۲۔۴۳

۴۱۔ ایضاً،۱/۵۵۹

۴۲۔ ایضاً،۱/۲۹۴

۴۳۔ ایضاً،۲/۳۵۹

۴۴۔ ایضاً، ۱/۲۱۵

۴۵۔ ایضاً، ۲/۲۱۱

۴۶۔ ایضاً، ۳/۱۸۱۔۱۸۲

۴۷۔ ایضاً، ۱/۱۱۰

۴۸۔ ایضاً، ۳/۱۸۱

۴۹۔ ایضاً، ۱/۵۵۹۔۵۶۰

۵۰۔ ایضاً، ۳/۱۸۸۔۱۸۹

۵۱۔ ایضاً، ۳/۱۹۰

۵۲۔ ایضاً، ۱/۳۱۵

۵۳۔ ایضاً، ۴/۲۷۲

۵۴۔ ایضاً، ۱/۲۵۰۔۲۵۱

۵۵۔ ایضاً، ۱/۲۱۹

۵۶۔ ایضاً، ۲/۴۹۵

۵۷۔ ایضاً، ۱/۳۰

۵۸۔ ایضاً، ۱/۴۲ نیز ملاحظہ کیجئے ۲/۲۸۶

۵۹۔ ایضاً، ۲/۴۵۸

۶۰۔ السیوطی، ذیل طبقات الحفاظ، صفحہ ۳۶۱

۶۱۔ الشوکانی، محمد بن علی، البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع، ۱/۱۵۳۔ مطبعۃ السعادۃ القاھرۃ، الطبعۃ الاولی، ۱۳۴۸ھ۔

۶۲۔ الحسینی، ذیل تذکرۃ الحفاظ، صفحہ ۵۸۔۵۹

۶۳۔ احمد محمد شاکر، عمدۃ التفسیر، ۱/۶

64. H. Laoust, Article: Ibn Kathir, the Encyclopaedia of Islam, Vol-111, P.818. Leiden, E. J. Brill, 1997.